رسائل و مسائل

چند شبہات و اعتراضات

سوال: عرض ہے کہ میں جماعت کا رکن تو نہیں ہوں لیکن بحمد اللہ میں جماعت کی تشکیل سے بھی پہلے اس جماعت کا ہم خیال اور ایک سرگرم حامی تھا۔ جماعت کا مسلک اور نصب العین معلوم ہونے کے بعد گویا اپنے میں بالکل پختگی محسوس کی۔ رکن نہ بننے کا فائدہ اب تک یہ حاصل ہوا کہ دوسری جماعتوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملتا رہا اور تجسس کی نگاہ سے انھیں دیکھا۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ جانبین سے بعض تجربات اور اعتراضات ایسے نظر میں آئے جن کا فیصلہ اب تک میں نہ کر سکا تاہم نوے فیصدی پھر بھی اپنے فطری میلان کے باعث آپ کی جماعت کا ہم خیال رہا۔ اس لیے میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ صرف سمجھنے کے لیے اور ہمدرد ہونے کی حیثیت سے کر رہا ہوں تاکہ دوسروں کے دریافت کرنے پر مجھے بے جا تاویلیں نہ کرنی پڑیں:

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ درجہ اول کے لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی شعبۂ زندگی میں حکومت وقت سے مدد نہ لیں۔ لوگ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بجا ہے اگر آپ کا لٹریچر وغیرہ یا گھر بار لوگ لوٹ لیں تو خیر آپ چپ رہیں گے، لیکن یہ آپ کی ڈاک، بجلی، ریل، شکر وغیرہ تمام ضروریات کہاں سے آتی ہیں؟ اگر حکومت طاغوتی سے امداد حاصل آپ نے کی تو آپ صف اول میں نہ رہے یا صف اول کی مزید تشریح کی جائے گی؟

(۲) آپ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جماعت میں وہ آدمی چاہتے ہیں جو خانقاہی زاہدوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوں اور دوسری طرف عام دنیاداروں سے بہت زیادہ ماہر تجربہ کار اور سیاست داں

ہوں۔ جب تک ایسا نہ ہوگا اس وقت تک اللہ تعالیٰ زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیگا۔

تو عرض ہے کہ پہلی بات تو ان لوگوں میں یقیناً دوسروں یعنی رسمی زاہدوں سے بہت کم ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوئی تدبیر بھی پروگرام میں نظر بھی نہیں آتی۔ یہ میں نے اس لیے عرض کیا کہ میں ذاتی طور پر دوسری جماعتوں میں بھی شریک ہوا تھا۔ ان لوگوں میں اس زہد کی تعلیم و تربیت دیکھی جس کا مشاہدہ شریک ہونے والا رات کو سونے کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی کر لیتا ہے اور پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ اخلاق و عادات اور خدا ترسی کا وہ عالم دیکھا کہ اور تو اور میں خود بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور جس کا بین فرق میں نے یہاں آتے ہی محسوس کیا۔ مثلاً ان لوگوں کا آپس میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، ملنے جلنے کا رنگ ڈھنگ، ایثار و قربانی، تہجد گذاری، ذکر الٰہی راتوں کا رونا، لمبی لمبی مسنون دعائیں۔ یہ اور اسی شعبے کے دیگر لوازمات نسبتاً ان لوگوں میں بہت زیادہ ہیں۔ بحمد اللہ اصل دین کی پختگی اور اس راہ کی قربانی میں ضرور ان جماعتوں کے متعلقین اس جماعت کے متعلقین سے پیچھے ہیں لیکن جن باتوں کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے آخر وہ بھی تو دین ہی کی کوئی شاخ ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ وہ خوبیاں آپ لوگوں میں کیوں نہوں۔ مزید برآں یہ کہ انتظام میں نے جس قدر وہاں دیکھا وہ بھی یہاں کالعدم ہے۔ وہاں ہر گروہ ایک امیر کے ماتحت ہوتا ہے اور جب تک گشت ہو کسی کو بغیر امیر کی اجازت کے بازار یا سیر تک جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور ہر لمحہ انھیں عام دنیا کی باتیں، فضول باتیں، بے جا مذاق، دوسروں پر آوازیں کسنا ان سب باتوں سے بچنے کی تعلیم ہوتی رہتی ہے۔ میں نہایت ادب کے ساتھ عرض گذار ہوں کہ آخر اس باب میں آپ کی جماعت کیوں پیچھے ہو۔ آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ صف اول کے لوگ رخصت پر عمل کرنے سے پرہیز کرتے ہوئے عزیمت کی طرف دوڑیں تو کیا فقہی مسائل میں عزیمت کا درجہ صف اول کے لیے ضروری نہیں؟ یہ تو عرض تھی آپ کے فرمان کے پہلے جزء پر یعنی ہم رسمی زاہدوں سے کہیں بہتر زاہد چاہتے ہیں۔ اب دوسرا حصہ ہے یعنی عام دنیاداروں سے زیادہ فہمیدہ اور تجربہ کار ہماری جماعت میں ملیں۔ اس کے لیے بھی وہی پہلی عرض ہے کہ جب موجودہ سائنس اور

صنعت و حرفت اور مشنری سب کی سب حکومت وقت کے ہاتھ میں ہے، اور ان کی درسگاہوں میں ہم خود یا اپنی اولاد کو بھیج نہیں سکتے تو پھر وہ اس صورت میں کیونکر عام دنیا داروں سے اس باب میں زیادہ فہمیدہ ثابت ہوں گے۔ اس فرمان پر جب لوگ اعتراض کرتے ہیں تو مجھے بہت دور از کار تاویلیں کرنی پڑتی ہیں۔ جتنے لوگ یہاں ہیں اگر حکومت طاغوتی سے مدد نہ لیتے تو یہاں تک پہنچ بھی نہ سکتے تو پھر یہاں کا سب سامان یہی لاؤڈ اسپیکر، بجلی، ریل اور موٹر بلکہ ہمارا خور و نوش آپ کے لٹریچر کا کاغذ اور اسی طرح کی سب ضروریات زندگی کیا حکومت سے امداد کے ضمن میں نہیں آتیں؟ ان لوگوں میں تو خیر کوئی بی۔ اے ہے تو کوئی ایم۔ اے خواہ امتحان نہ ہی دیا ہو۔ کوئی انجینیر اور کوئی جج، لیکن اپنی ملازمتوں کو چھوڑ کر صف اول میں آنے والے ان سب لوگوں کی یہ بیدار مغزی کیا چیز ہے؟ جہاں تک میں سوچ سکا ہوں حکومت کی درسگاہوں سے حاصل کی ہوئی معرفت ہی کا مرہون منت ہے۔ اب عرض ہے کہ یہ حضرات سو دو سو سال زندہ رہ نہیں سکتے۔ لازماً اس کام کو چلانے کے لیے ان کی اولادیں کام آئیں گی تو ان میں زہد و دینداری تو خیر ان کیا ہمارے بس کی چیز ہے، لیکن دنیا فہمی کیسے آئے گی؟ شاید آپ اس کا جواب یہ دیں کہ سیدھی سی بات کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ یہ سب انگریزی اور موجودہ درسگاہوں اور صنعتوں کے ماہر اور مالک خود اسی نظام میں آجائیں گے اور یہ سوال ہی باقی نہ رہے گا۔ مگر میرا اور عوام کا اعتراض نہیں بلکہ شبہہ یا وسوسہ اچھی جگہ پر ہے اس لیے کہ سوال تو نظام قائم کر دینے ہی سے متعلق ہے کہ اس کے قیام کے لیے ایسی فہمیدہ جماعت کی ضرورت ہے جو ہر باب میں یہاں تک کہ جب ہمیں ضروری طاقت کے بعد اپنے راستے سے رکاوٹیں ہٹانے کے لیے ہاتھا پائی کی بھی ضرورت پڑ جائے تو ہماری ہاتھا پائی بھی موجودہ حکومت کی ہاتھا پائی سے زیادہ سخت اور با اصول ہو تو پھر یہ تمام باتیں کہاں سے سیکھیں گے؟ ہمیں یا ہماری اولاد کو کوئی تکلیف اٹھائے بغیر اس نظام کے قیام کا موقع مل جائے اور پوری حکومت حکومت الٰہی کو قبول کر لے، ایسے نصیب ہمارے کہاں۔ رسول صلعم کو بھی آخر جنگ کی ضرورت پیش آ ہی گئی۔ تو ایسی صورت میں ونیز! تو ہماری جماعت اللہ کے فضل سے

پوری ہو گی لیکن دنیوی ہتھیار سے کیسے آراستہ ہو گی؟

جواب: (۱) یوں بحث کرنے والے کے لیے تو بحث و جدال کی بڑی گنجائش ہے لیکن جو شخص سنجیدگی کے ساتھ غور کرے گا وہ آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے کہ حکومت سے استمداد اور اُن ذرائع سے فائدہ اٹھا لینے میں بڑا فرق ہے جن پر حکومت قابض ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ اس نظام باطل کے اندر صرف کلمۂ الٰہی کو بلند کرنے کے لیے زندگی بسر کرنا چاہیے۔ جو شخص اس جدوجہد میں لگ گیا ہے وہ جان سکتا ہے کہ وہ کن کن مواقع پر مجبور ہے کہ اپنی زندگی کو محفوظ رکھنے یا اپنے مقصد زندگی کو پورا کرنے کے لیے موجودہ نظام کے مقبوضہ ذرائع و وسائل کو کام میں لائے۔ ریل، تار، ڈاک وغیرہ سے ایک ایسے شخص کا فائدہ اٹھا لینا جو اعلاء کلمۂ حق کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے حکومت سے استمداد نہیں ہے بلکہ جن ذرائع و وسائل پر حکومت بلا کسی حق کے قابض ہے ان کو ناگزیر حد تک مقصد حق میں استعمال کر لینا ہے۔ اس بات میں اور اس بات میں کہ ایک شخص اپنے تمام حقوق جان و مال کی محافظت کے لیے حکومت سے استمداد کرتا ہے بڑا فرق ہے، اور حکومت کی امداد کی شکلیں تو اس سے بالکل ہی مختلف ہیں اور ہر شخص بادنیٰ تامل ان میں فرق کر سکتا ہے لیکن بہت سے لوگ جان بوجھ کر التباس پیدا کرتے ہیں اور ان کے ترکش کے سب سے زیادہ قیمتی تیر اسی قسم کے قیاس مع الفارق ہیں۔ درحقیقت لوگوں کی نظر اس بات پر نہیں ہے کہ جو اہل حق کسی نظام باطل کے اندر گھر گئے ہوں ان کے لیے نہ تو یہ بات جائز ہے کہ اس نظام کے اجزاء کی طرح اس کے کل پرزے بن جائیں اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اس سے فی الفور علیحدگی اور ترک تعلق اختیار کر لیں بلکہ ان کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اس کے اندر رہ کر حسب حد تک ممکن ہو اس سے احتراز اختیار کریں اور جس حد تک مقصد حق کی خدمت کے لیے ناگزیر ہو اس کے ذرائع و وسائل کو استعمال کریں۔ پس یہ ریل، تار، ٹیلیفون کے استعمال کی اجازت بھی ہم محض اس لیے دیتے ہیں کہ مقصد حق کی خدمت اس کے لیے ہمیں مجبور کرتی ہے ورنہ جن لوگوں کا سینہ اس عشق سے بالکل خالی ہے اس نظام باطل کے اندر ان کی ساری زندگی گناہ و معصیت ہے۔

(۲) آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ہمارے پروگرام میں تقویٰ کے حصول کی کوئی تدبیر نہیں بتائی

گئی ہے۔ دراصل اس باب میں ہمارا خیال یہ ہے کہ اصلی تقویٰ اقامت دین کی جدوجہد ہی میں حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود کی حفاظت کے لیے اور اس کے حکموں کو اپنے اوپر اور دوسروں کے اوپر قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے اور خدا کے حضور جوابدہی کے احساس کے ساتھ یہ کام کر رہا ہے اس کا ہر لمحہ تقویٰ اور حصول تقویٰ کی جدوجہد میں بسر ہو رہا ہے۔ ہم اس جدوجہد کے باہر تقویٰ کے حصول کے قائل نہیں ہیں۔ آپ نے تقویٰ کے جن اشکال کا ذکر فرمایا ہے ان کے اجزائے دین ہونے میں شبہہ نہیں ہے لیکن ان کا اعتبار اصول دین کی اقامت کی جدوجہد ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اگر اصول دین منہدم ہو رہے ہوں اور ان کے لیے لوگوں میں بےچینی نہ پیدا ہو تو مجھے امید نہیں ہے کہ ہم تقویٰ کی ان صورتوں سے خدا کے مواخذہ سے بچ سکیں گے۔ جماعت اسلامی کے ارکان میں دوسری جماعتوں کے مقابل میں اس اعتبار سے اگر کچھ کمی آپ کو نظر آ رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے اندر فروع دین کا شعور اصول دین کے شعور کے تحت پیدا ہو۔ جس رفتار سے دین میں ان کی معرفت بڑھتی جائے گی اسی رفتار سے ان میں ذوق دینی نشو و نما پائے گا اور پھر اسی رفتار سے ان میں اجزاء و فروع کا اہتمام بھی ترقی کرے گا۔ ہم ترتیب کو الٹ کر یہ نہیں چاہتے کہ لوگوں میں دینداری کی نمائش کا جذبہ پیدا ہو۔

(۳) کسی مقصد کے لیے اشخاص کو تیار کرنے میں مقدم شے اس مقصد کے لیے ان کے اندر راسخ ایمان پیدا کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قابلیت پیدا کرنا ایک امر ثانوی ہے۔ جو جماعت کسی چیز کا سچا عزم اپنے اندر پیدا کر لیتی ہے وہ اس کی قابلیت اور اس کے حصول کے وسائل و ذرائع ہزاروں راہوں سے خود بخود پیدا کر لیتی ہے۔ آپ اس بات کے لیے بالکل مضطرب نہ ہوں کہ اگر مسلمان موجودہ کافرانہ درسگاہوں سے علیحدہ کر لیے گئے تو ان میں وہ قابلیت کہاں سے پیدا ہو گی جو ان کے حریفوں پر ان کو فوقیت دلا سکے۔ ہم کو پورا یقین ہے کہ ایک جماعت حق اپنے حریفوں کے مقابل میں دس گنی قوت تو محض اپنے اصولوں کی سچائی اور اپنے ایمان کی بدولت بڑھا لیتی ہے۔ اس کے بعد اگر کچھ کمی رہ جاتی ہے تو وہ یوں پوری ہوتی ہے کہ حق کی اپیل کے مقابل میں چونکہ نسلی و قومی تعصبات حائل نہیں ہوتے اس وجہ سے ہر قوم کے لائق اور اہل افراد کھنچ کھنچ کر اس میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مل کر پہلے

اپنی جماعت بناتے ہیں۔ پھر یہ جماعت اپنے لیے سازگار ماحول تلاش کرتی ہے جہاں اس کی قابلیتیں فعل میں آسکیں۔ وقت سے پہلے اس کا کوئی متعین نقشہ نہیں پیش کیا جا سکتا لیکن دنیا کی تاریخ بالخصوص وہ تاریخ جو قرآن میں بیان ہوئی ہے اس کی شہادت دیتی ہے کہ ایسا ہوتا ہے اور ہم کو اس پر پورا یقین ہے اس معاملہ میں ہمارا پورا بھروسہ چارہ سازِ غیب کی کارسازی پر ہونا چاہیے۔ یہ خواہش نہیں کرنی چاہیے کہ پہلے قدم پر پوری منزل سامنے آجائے۔

باقی رہے وہ لوگ جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ موجودہ طاغوتی درسگاہوں سے جہاد حق کے لیے قوت و قابلیت فراہم کر رہے ہیں وہ ایک فریب نفس میں مبتلا ہیں ان کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر حق واضح کر دے۔

اتمامِ حجت سے پہلے تکفیر

سوال: ۲۰ اپریل کے اخبار "کوثر" میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا مضمون "تکفیر و تفسیق" کے متعلق جو شائع ہوا ہے اور غالباً ترجمان القرآن میں بھی وہ شائع ہوا ہے، اس مضمون کے پڑھنے کے وقت بعض اجزاء مجھے بھی غیر مانوس سے معلوم ہوئے۔ لیکن تحریک اسلامی کے تمام لٹریچر کے مطالعہ کی بنا پر تحریک کے بنیادی مقاصد سے اتفاق، اور حسن ظن کی بنا پر اس کی کچھ تاویل کرنے لگا۔ لیکن اس کے بعد چند اور دوستوں نے، جو معاندیا خواہ مخواہ نکتہ چین نہیں بلکہ جماعت کے ہمدرد اور متاثر ہیں مجھے اس کی طرف خاص توجہ دلائی۔ ان کا کہنا ہے کہ عام مسلمانوں کو ان کی غلطیوں، گمراہیوں یا اضطراری ضلالتوں کی بنا پر ایمان سے محروم قرار نہ دینا تو درست ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ غیر مسلم قومیں قابل نفرت نہیں بلکہ قابل رحم اور قابل تبلیغ ہیں۔ لیکن یہ لکھنا کس طرح صحیح ہے کہ اس زمانہ میں تبلیغ اور اتمام حجت سے پہلے ہم کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہم ان کو کافر سمجھیں یا کافر قرار دے کر ان سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کریں۔ اس مضمون سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اب جبکہ پوری تبلیغ اور صحیح طریقہ سے

اتمام حجت نہیں ہو رہا ہے تو ہم موجودہ حالات میں ہندو، سکھ، انگریز، پارسی وغیرہ قوموں کو بھی نہ کافر سمجھیں نہ کافر قرار دے کر ان سے بیزاری کریں۔ اور نیز اسی بنا پر مرزائیوں کو غالی شیعوں کو یا دوسرے ضروریات دین سے منکر لوگوں کو کافر نہ سمجھیں اور نہ ان سے بیزاری و علیحدگی کا اعلان کریں۔ حالانکہ ایسے لوگوں کی اصلاح بھی اس تصور کے بعد ہی ہو سکتی ہے کہ ان عقائد کفریہ کی وجہ سے ان کو کافر قرار دیا جائے اور کفر کے احکام ان پر جاری کیے جائیں۔ اور خود ان کو تبلیغ کرنا بھی تو انہی کے کفر کے مقتضیات ہی میں سے ہے۔ اور جو کچھ اس مضمون کے مطالعہ سے سمجھ میں آتا ہے اسی کو نام نہاد مسلمانوں کے باطل فرقے مثلاً مرزائی آئندہ پیش کریں گے کہ اتمام حجت سے پہلے تم ہماری تکفیر کیسے کرتے ہو۔ اور پچاس سال کے عرصہ میں مرزائی عقائد کی تردید میں جو کچھ لکھا گیا یا کہا گیا ہے ان سب کو تو وہ بھی اتمام حجت نہیں سمجھتے اور مضمون میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ اب تک الٹی سیدھی تدبیریں کی گئیں لیکن شرائط کے موافق تبلیغ نہیں ہوئی لہذا اتمام حجت بھی نہیں ہوا۔

میرے ان احباب نے یہی اشکالات پیش کیے۔ میں نے جواب دینے اور سمجھانے کی کوشش تو کی لیکن میں مضمون کے بعض الفاظ کو درست ثابت نہ کر سکا۔ اور غالباً صاحب مضمون کا مقصد یقیناً وہی نہ ہوگا جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کو جو حقیقتہً مخلص و ہمدرد ہیں یہ چیز یہاں کھٹکی ہوں گی۔ اس لیے آپ براہ مہربانی ترجمان کی کسی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کو ذرا خوب واضح کر دیں۔ تاکہ جو جو توہمات پیدا ہو سکتے ہیں ان کا دفعیہ ہو جائے اور ایک درست مسئلہ سمجھاتے ہوئے کہیں غلط خیالات لوگوں کے ذہن میں بیٹھ نہ جائیں۔ امید ہے کہ آپ اس پر ضرور توجہ فرمائیں گے اور تفصیلی تشریح کر کے اس بے چینی کو دور کر دیں گے۔ جو مخالفوں کے نہیں بلکہ اپنوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے۔

جواب: جب آپ اس بات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ عام مسلمانوں کو ان کی گمراہیوں اور ضلالتوں پر ایمان سے محروم نہ قرار دینا چاہیے تو پھر اس بات کے تسلیم کرنے میں آپ کو کیوں تردد ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ان کی گمراہیوں اور ضلالتوں پر کافر قرار دے کر ان سے اعلان علیحدگی نہیں کرنا چاہیے؟

آخر مسلمانوں کو یہ الاؤنس جو آپ دے رہے ہیں اس کی وجہ یہی تو ہے نا کہ آج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وہ شرعی ادارہ موجود نہیں ہے جو ان پر دین کی حجت تمام کر سکے؟ پھر جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارہ کے درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو ایک ایسی رعایت دے رہے ہیں جس کے وہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں کم تر مستحق ہیں تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہی رعایت آپ غیر مسلموں کو دینے سے انکار کر رہے ہیں؟ حالانکہ شہادت علی الناس کا وہ شرعی نظام جس کے بغیر اتمام حجت ممکن نہیں ہے، آج موجود نہیں ہے۔ ایک ہی نوعیت کے جرم پر دو شخصوں سے دو طرح کا معاملہ کرنا ایک ایسے شخص سے تو ممکن ہے جو کسی نسلی اور قومی تعصب میں مبتلا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جو نہ کسی تعصب میں مبتلا ہے، نہ کسی سے کوئی خاص جانبداری برتتا ہے، آخر کس بنا پر ایک مسلمان گمراہ کو راہ یاب قرار دے اور ایک ہندو گمراہ کو مستحق دار ٹھیرائے؟ آپ حضرات کی یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک مسلمان تو ساری نافرمانیوں اور بغاوتوں کے باوجود ایمان سے محروم نہیں قرار دیا جا سکتا، حالانکہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا، اسلامی روایات اس نے ورثہ میں پائیں، زندگی بھر اسلام اسلام پکارتا رہا، لیکن ایک غیر مسلم اپنے غیر اسلامی اعمال و عقائد پر جہنمی قرار دیا جائے گا، درانحالیکہ اس کے سامنے دین حق کی شہادت دینے کی ذمہ داری جن لوگوں پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ڈالی گئی تھی، انھوں نے نہ صرف یہ کہ شہادت کے شرائط کے مطابق اس کے سامنے شہادت نہیں دی، بلکہ الٹے قومی اور نسلی تعصبات پھیلا کر اس کو اسلام سے بدگمان اور متنفر کر دیا۔

آپ اگر اپنے اس جذبہ کی اچھی طرح تحلیل کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جذبہ اسلام کی محبت کا جذبہ نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی محبت کا جذبہ ہے جس کو آپ اسلامی جوش غیرت کے رنگ میں پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ خود پرستی ہے جس میں یہود اور نصاریٰ مبتلا تھے۔ ان کے نزدیک بھی کفر و ایمان کا فیصلہ ایمان و عقائد کی بنیاد پر نہیں ہوتا تھا، بلکہ نسل و نسب کی بنا پر ہوتا تھا۔ کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا الآیہ

آپ کا یہ معارضہ کہ "اس مضمون سے ثابت ہو رہا ہے کہ اب جبکہ پوری تبلیغ اور صحیح طریقہ سے اتمام حجت نہیں ہو رہا ہے تو ہم موجودہ حالات میں ہندو، سکھ، انگریز، پارسی وغیرہ قوموں کو بھی کافر نہ سمجھیں، نہ کافر قرار دے کر ان سے بیزاری کریں" عجیب و غریب ہے۔ یہ تو بہر حال واقعہ ہے جس کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کر

آج تبلیغ اور اتمام حجت نہیں ہو رہا ہے اور یہ بھی از روئے شرع مسلّم ہے کہ بغیر اتمام حجت تکفیر اور اعلان برأت جائز نہیں۔ اب اگر آپ اپنے موجودہ رویہ ہی کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یا تو یہ ثابت کیجیے کہ آج تبلیغ اور اتمام حجت کے تمام ضروری وسائل بروئے کار ہیں، یا یہ ثابت کیجیے کہ بغیر تبلیغ اور اتمام حجت کے بھی تکفیر اور اعلان برأت درست ہے۔ لیکن جب آپ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ثابت کر رہے ہیں تو ہم سے یہ مطالبہ کیوں کر رہے ہیں کہ ہم ایک حقیقت کے اظہار سے اس لیے رک جائیں کہ اس سے آپ کے ایک غلط عزم کی غلطی ثابت ہو رہی ہے؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کو درست کرنے کے لیے ہماری صحیح بات کو غلط کرنے کی کوشش کریں، اپنے ہی رویہ کو درست کریں اور ساری دنیا کی تکفیر اور اعلان برأت سے پہلے اس فرض تبلیغ و شہادت علی الناس کی ذمہ داری ادا کریں جو امت مسلمہ پر واجب ہے۔

آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اہل کفر کے کفر کی اصلاح کا راستہ تکفیر اور اعلان برأت ہے۔ تکفیر اور اعلان برأت تو سزا ہے جو اہل کفر کو اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اہل حق کی دعوتِ اصلاح کو قبول نہیں کرتے اور آخری حد تک اتمام حجت کے بعد بھی اپنے جمود و انکار ہی پر اڑے رہتے ہیں۔ میرے جس مضمون سے آپ کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے اس میں میں نے تفصیل کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت صلعم کی دعوت کی مثال دے کر ثابت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے کافر ہونے کا اور ان سے برأت کا اعلان اس وقت کیا ہے جب پوری طرح اتمام حجت کر دینے کے بعد ان کے اندر سے ہجرت کر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ جب تک اہل تکفیر کی اصلاح کی جد وجہد کا امکان ہوتا ہے اس وقت تک نہ ان کی تکفیر کی جاتی ہے، نہ ان سے علیحدگی کا اعلان کیا جاتا ہے، بلکہ سارا زور اس بات پر صرف کیا جاتا ہے کہ ان کے اندر کفر و شرک کا صحیح شعور پیدا ہو۔ اور نفسیاتی اعتبار سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جس جماعت کی اصلاح مد نظر ہو ان سے اعلان برأت نہ کیا جائے اور نہ ان کی تکفیر کی جائے، کیونکہ جن کی تکفیر کر کے آپ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی، آپ نے اپنی بات سننے کے لیے ان کے دلوں میں گنجائش ہی کہاں چھوڑی!

قادیانیوں اور دوسری قوموں کا طعنہ اگر صحیح ہے تو اس کو برداشت کیجیے، محض اس وجہ سے کہ

وہ آپ کو طعنہ دیں گے، ہم یہ تو تسلیم کرنے سے رہے کہ آپ نے صحیح طریق پر فرض شہادت ادا کیا ہے۔ براہ کرم جنوری ۴۶ء کے اشارات ضرور ہی پڑھ لیجیے۔ یہ ساری غلط فہمی آپ کو محض اس وجہ سے ہوئی ہے کہ آپ نے اس سلسلہ کے سارے مضامین نہیں پڑھے ہیں۔ میرے نزدیک تو مسلمانوں نے اگر فرض شہادت علی الناس کو صحیح طور پر ادا کیا ہوتا تو نہ کوئی باطل فرقہ جنم لے سکتا تھا اور نہ جنم لے کر باقی رہ سکتا تھا۔ آدمی کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ اس کے کام کی تعریف ہو، لیکن انصاف بھی تو آخر کوئی چیز ہے، جو کام غلط ہوئے ہیں آخر ان کی تعریف کیسے کی جائے؟

آخر میں یہ توضیح بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ "کافر قرار دینا یا کافر سمجھنا" یا "اعلان برأت" وغیرہ الفاظ سے میں نے ان کے شرعی اور قانونی مفہوم کو مراد لیا ہے، یعنی وہ "کافر سمجھنا" جس پر احکام مترتب ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس شخص میں کفر کے خصائل جمع ہوں اس کو ہر ذی شعور مسلمان کافر ہی خیال کرتا ہے اور اس کے اعمال و اخلاق سے اپنے دامن کو بچانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کو اُس طرح کا کافر نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اس سے روابط کا اس طرح انقطاع ہو جائے جس طرح ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم کا قریش کے ساتھ ہو گیا، اور نہ اس سے اس مفہوم میں اعلان برأت ہی کیا جا سکتا ہے جس مفہوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "انا برآؤا منکم" میں کیا۔

قضیہ فلسطین میں ہمارا رویّہ

سوال: بعض ہمدرد پوچھتے ہیں کہ فلسطین کی سیاست میں امریکہ اور برطانیہ کی خود غرضانہ دخل اندازی کے نتائج عالم آشکارا ہیں، تو آخر جماعت اسلامی نے قضیہ فلسطین کے سلسلہ میں اپنی پالیسی کیا تجویز کی ہے؟

جواب: ہم وقتی مسائل کو اتنی اہمیت نہیں دیتے کہ اپنے اصل کام کو چھوڑ کر ان کے پیچھے پڑ جائیں۔ ہمارے نزدیک برطانیہ اور امریکہ سخت ظلم کر رہے ہیں، فلسطین کے معاملہ میں انھوں نے بے انصافی کی حد کر دی ہے، اہلِ فلسطین سے ہمدردی کرنا ہر انسان کا انسانی

فرض ہے، اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو ہمارے لیے یہ فرض کئی گنا زیادہ سخت ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کریں۔ پھر فلسطین کا مسئلہ اس لیے بھی اہم ہے کہ اگر خدانخواستہ وہاں یہودی ریاست بن گئی تو اس سے مرکزِ اسلام یعنی حجاز کو بھی متعدد قسم کے خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ اس معاملہ میں دنیا کے مسلمان مدافعت کے لیے جو کچھ بھی کریں ہم اس میں ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اصل مسئلہ فلسطین یا ہندوستان یا ایران یا ٹرکی کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ کفر و اسلام کی کشمکش کا ہے اور ہم اپنا سارا وقت، ساری قوت اور ساری توجہ اسی مسئلہ پر صرف کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا، دوسرے مسائل کے حل ہو جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

غیر اسلامی حکومت کے ذریعے تحصیل زکوٰۃ

سوال: حالاتِ حاضرہ کا پیدا کردہ ایک سوال دریافت کرتا ہوں۔ یہ کہ کیا ہماری شریعت میں کسی کافر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ہم سے صدقاتِ واجبہ وصول کرے یا یہ کہ حکومتِ کفر کی قانونی قوت کے ذریعہ ان کی وصولی کا اہتمام کیا جائے، اور وہ اس طرح کہ اسمبلی میں ایک زکوٰۃ بل پاس کرا لیا جائے؟ امید ہے کہ واضح جواب دیا جائے گا۔

جواب: زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کی تقسیم کا نظام اگر قائم ہو سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ مسلمانوں کا کوئی آزاد اجتماعی نظام ہو جو بااختیار بھی ہو اور وہ اس کو انجام دے۔ رہی یہ صورت کہ ایک ایسی اسمبلی میں زکوٰۃ بل پاس کرایا جائے جس کی اکثریت غیر مسلم ہے اور جو قانونِ اسلام کو بالاتر قانون تسلیم نہیں کرتی تو یہ چیز شرعاً بالکل غلط ہے اور اس طریقہ سے اگر غیر مسلم حکومت کے زیرِ اثر زکوٰۃ کی وصولی و تقسیم کا انتظام کیا گیا تو شرعاً زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔